حضرت امام حسینؑ

صدر المحققین سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

ولادت: ۳/شعبان ۴ھ
شہادت: ۱۰/محرم ۶۱ھ

انسانی زندگی کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا پڑتا ہے ایک طرف اسے اپنے انسانیت کے بلند خدو خال کو قائم رکھنے کے لئے خود اپنی نفسانی خواہشوں، حیوانی جذبوں اور جسمانی تقاضوں سے عقل کی رہنمائی اور فرض شناسی کے اصول کی پابندیوں کی خاطر جنگ کرنا پڑتی ہے۔ دوسری طرف سچائی کے راستے میں جو بیرونی رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ان کے مقابلے کی ضرورت ہے۔ ماحول، رفتار زمانہ، ظلم اور تشدد کی طاقتیں اس کو اکثر راستے سے ہٹا دینے میں سیلاب کے بہاؤ اور آندھیوں کے تیز جھکڑوں اور طوفان کے سخت تھپیڑوں سے دوچار کر دیتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر سختی کے ساتھ سچائی کے راستے پر قائم رہنا، جان پر کھیل جانا اور اصول سے بال بھر نہ ہٹنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے۔ لفظی طور پر ثابت قدمی، استقلال، ضبط، صبر اور تحمل کی لفظیں اخلاق کی کتابوں اور حکیموں کی نصیحتوں میں بہت مل جائیں گی مگر مشکل منزلوں اور دشوار راستوں میں انسان کا قدم آگے بڑھانے، حوصلے کو قائم رکھنے اور ڈگمگاتے ہوئے پیروں میں استقلال پیدا کرنے کے لئے ایک عملی نمونہ کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے راہنما کی حاجت ہے جو ایسی سخت سے سخت منزلوں کو طے کئے ہوئے، اس آزمائش کی کڑیوں کو جھیلے ہوئے، مشکلات کی گھاٹیوں اور ناہموار راہوں کو روندے ہوئے، کامیابی کی سب سے اونچی چوٹی پر کھڑا ہوا دنیا کو آواز دے رہا ہو کہ: ''آؤ اور میرے نقش قدم پر چل کر سچائی، حقانیت اور صبر و استقلال کی اس معراج کو حاصل کرو۔'' یہ ہیں شہید کربلا حسینؑ ابن علیؑ، جن کے حالات کا ایک مختصر خاکہ اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے۔

نام و نسب: حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ جو آل رسولؐ میں سے تیسرے امام ہیں۔ پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدۂ گرامی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ باعزت بیٹی تھیں جن کی تعظیم کو حضرت کھڑے ہوتے تھے۔ جن کو تمام مسلمان حضرت سیدہؑ اور معصومہؑ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جنہیں مسلمان گھروں میں حضرت بی بی کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا نام حضرت فاطمہ زہراؑ تھا اور رسولؐ نے سیدۂ زنانِ عالم کا انھیں خطاب دیا تھا۔ ایسے باپ اور ماں کے بیٹے اور ایسے نانا کے نواسے حسینؑ تھے۔ جنہیں روحانی کمالات اپنے نانا، باپ اور ماں سے میراث میں ملے تھے۔

ولادت: ہجرت کے چوتھے سال تیسری شعبان پنجشنبہ کے دن امام حسینؑ کی ولادت ہوئی اس خوش خبری کو سُن کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ بیٹے کو گود

میں لیا پیار کیا داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور اپنی زبان منھ میں دے دی۔ پیغمبرؐ کا مقدس لعاب دہن حسینؑ کی غذا بنا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا آپ کی پیدائش سے تمام خاندان میں خوشی اور مسرت محسوس کی جاتی تھی مگر آنے والے حالات کا علم پیغمبرؐ کی آنکھوں سے آنسو برساتا تھا۔ اور اسی وقت سے حسینؑ کے مصائب کا چرچا اہلبیتؑ رسولؐ کی زبانوں پر آنے لگا۔

نشوونما: پیغمبر اسلامؐ کی گود جو اسلام کی تربیت کا گہوارہ تھی۔ اب ان دو بچوں کی پرورش میں مصروف ہوئی۔ ایک حسنؑ دوسرے حسینؑ۔ اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا ایک ہی گہوارہ تھا۔ جس میں دونوں پروان چڑھ رہے تھے۔ ایک طرف پیغمبر اسلام جن کی زندگی کا مقصد ہی اخلاق انسانی کی تکمیل تھی اور دوسری طرف حضرت امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب جو اپنے عمل سے خدا کی مرضی کے خریدار بن چکے تھے۔ تیسری طرف حضرت فاطمہ زہراؑ جو خواتین کے طبقہ میں پیغمبرؐ کی رسالت کو عملی طور پر پہونچانے ہی کے لئے قدرت کی طرف سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس نورانی ماحول میں حسینؑ کی پرورش ہوئی۔

رسولؐ کی محبت: حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں نواسوں کے ساتھ انتہائی محبت فرماتے تھے۔ سینہ پر بٹھاتے تھے، کاندھوں پر چڑھاتے تھے اور مسلمانوں کو تاکید فرماتے تھے کہ ان سے محبت رکھو مگر چھوٹے نواسے کے ساتھ آپ کی محبت کے انداز کچھ امتیاز خاص رکھتے تھے۔ ایسا ہوا ہے کہ نماز میں سجدہ کی حالت میں حسینؑ پشت مبارک پر آگئے تو سجدہ میں طول دیا۔ یہاں تک کہ بچہ خود سے بہ خوشی پشت پر سے علاحدہ ہوگیا اس وقت سر سجدے سے اٹھایا۔ کبھی خطبہ پڑھتے ہوئے اور حسینؑ مسجد کے دروازے سے داخل ہونے لگے اور زمین پر گر گئے تو رسولؐ نے اپنا خطبہ قطع کر دیا اور منبر سے اتر کر بچے کو زمین سے اُٹھایا اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ''دیکھو یہ حسینؑ ہے اسے خوب پہچان لو اور اس کی فضیلت کو یاد رکھو۔'' رسولؐ نے حسینؑ کے لئے یہ الفاظ بھی خاص طور پر فرمائے تھے کہ ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔'' مستقبل نے بتا دیا کہ رسولؐ کا مطلب یہ تھا کہ میرا نام اور میرا کام دنیا میں حسینؑ کی بدولت قائم رہے گا۔

رسولؐ کی وفات کے بعد: امام حسینؑ کی عمر ابھی ۶ رسال کی تھی جب انتہائی محبت کرنے والے نانا کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اب پچیس برس تک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی خانہ نشینی کا دور ہے اس زمانہ کے طرح طرح کے ناگوار حالات امام حسینؑ دیکھتے رہے اور اپنے والد بزرگوار کی سیرت کا بھی مطالعہ فرماتے رہے۔ یہ ہی وہ دور تھا جس میں آپ نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا اور بھرپور شباب کی منزلوں کو طے کیا۔ ۳۵ھ میں جب حسینؑ کی عمر ۳۱ برس کی تھی عام مسلمانوں نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو بحیثیت خلیفۂ اسلام تسلیم کیا۔ یہ امیرالمومنینؑ کی زندگی کے آخری پانچ سال تھے۔ جن میں جمل اور صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں اور امام حسینؑ ان میں اپنے بزرگ مرتبہ باپ کی نصرت اور حمایت میں شریک ہوئے اور شجاعت کے جوہر

بھی دکھائے۔ ۴۰ھ میں جناب امیرؑ مسجد کوفہ میں شہید ہوئے اوراب امامت وخلافت کی ذمہ داریاں امام حسنؑ کے سپرد ہوئیں جو حضرت امام حسینؑ کے بڑے بھائی تھے۔ حسینؑ نے ایک باوفا اوراطاعت شعار بھائی کی طرح حسنؑ کا ساتھ دیا اور جب امام حسنؑ نے ایسے شرائط کے ماتحت جن سے اسلامی مفاد محفوظ رہ سکے معاویہ کے ساتھ صلح کرلی تو امام حسینؑ بھی اس مصالحت پر راضی ہو گئے اور خاموشی کی زندگی گذارنے لگے دس برس تک امام حسنؑ کی زندگی میں اور دس برس تک امام حسنؑ کے بعد آپ خاموشی اور گوشہ نشینی کے ساتھ عبادت اور شریعت کی تعلیم واشاعت میں مصروف رہے مگر معاویہ نے ان شرائط کو جو امام حسنؑ کے ساتھ ہوئے تھے بالکل پورا نہ کیا۔ خود امام حسنؑ کو امیر شام کی سازش ہی سے زہر دیا گیا حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے شیعوں کو چن چن کر قید کیا گیا۔ سرقلم کئے گئے اور سولی پر چڑھایا گیا اور سب سے آخر میں اس شرط کے بالکل خلاف کہ ''معاویہ کو اپنے بعد کسی کو جانشین مقرر کرنے کا حق نہ ہوگا۔'' معاویہ نے یزید کو اپنے بعد کے لئے ولی عہد بنا دیا اور تمام مسلمانوں سے اس کی بیعت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور زور وزَر دونوں طاقتوں کو کام میں لاکر دنیائے اسلام کے بڑے حصے کا سر جھکوا دیا گیا۔

اخلاق واوصاف: امام حسینؑ سلسلۂ امامت کی تیسری فرد تھے۔ عصمت وطہارت کا مجسمہ تھے آپ کی عبادت، آپ کے زہد، آپ کی سخاوت، آپ کے کمالِ اخلاق کے دوست ودشمن سب ہی قائل تھے۔ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور اکثر روزے رکھتے تھے۔ ۲۵ رحج آپ نے پاپیادہ کئے آپ میں سخاوت وشجاعت کی صفت کو خود رسولؐ اللہ نے بچپنے میں ایسا نمایاں پایا کہ فرمایا: ''حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے۔'' چنانچہ آپ کے دروازے پر مسافروں اور حاجت مندوں کا سلسلہ برابر قائم رہتا تھا اور کوئی سائل محروم واپس نہیں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کا لقب ''ابوالمساکین'' ہو گیا تھا۔ راتوں کو روٹیوں اور کھجوروں کے پشتارے اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ اور غریب، محتاج، بیواؤں اور یتیم بچوں کو پہنچاتے تھے۔ جن کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے تھے۔ حضرت ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''جب کسی صاحب ضرورت نے تمہارے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلا دیا تو گویا اس نے اپنی عزت تمہارے ہاتھ بیچ ڈالی اب تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اسے خالی ہاتھ واپس نہ کرو کم سے کم اپنی ہی عزت نفس کا خیال کرو۔''

غلاموں اور کنیزون کے ساتھ آپ عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے ذرا ذرا سی بات پر آپ انھیں آزاد کر دیتے تھے۔ آپ کے علمی کمالات کے سامنے دنیا کا سر جھکا ہوا تھا۔ مذہبی مسائل اور اہم مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کی جاتی تھی۔ آپ کی دعاؤں کا ایک مجموعہ صحیفۂ حسینیہ کے نام سے اس وقت بھی موجود ہے آپ رحم دل ایسے تھے کہ دشمنوں پر بھی وقت آنے پر رحم کھاتے تھے اور ایثار ایسا تھا کہ اپنی ضرورت کو نظر انداز کر کے دوسروں کی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔ ان تمام بلند صفات کے

ساتھ متواضع اور منکسر ایسے تھے کہ راستے میں چند مساکین بیٹھے ہوئے اپنے بھیک کے ٹکڑے کھا رہے تھے اور آپ کو پکار کر کھانے میں شرکت کی دعوت دی تو حضرت فوراً ازمین پر بیٹھ گئے اگر چہ کھانے میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس بنا پر کہ صدقہ آل محمدؐ پر حرام ہے۔ مگر ان کے پاس بیٹھنے میں کوئی عذر نہیں ہوا۔

اس خاکساری کے باوجود آپ کی بلندی مرتبہ کا یہ اثر تھا کہ جس مجمع میں آپ تشریف فرما ہوتے تھے لوگ نگاہ اُٹھا کر بات نہیں کرتے تھے جو لوگ آپ کے خاندان کے مخالف تھے وہ بھی آپ کی بلندی مرتبہ کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام حسینؑ نے امیر شام معاویہ کو ایک سخت خط لکھا جس میں ان کے اعمال وافعال اور سیاسی حرکات پر نکتہ چینی کی تھی اس خط کو پڑھ کر معاویہ کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی۔ پاس بیٹھنے والے خوشامدیوں نے کہا کہ آپ بھی اتنا ہی سخت خط لکھئے۔ معاویہ نے کہا میں جو کچھ لکھوں وہ اگر غلط ہو تو اس سے کوئی نتیجہ نہیں اور اگر صحیح لکھنا چاہوں تو بخدا حسینؑ میں مجھے ڈھونڈھے سے کوئی عیب نہیں ملتا۔

آپ کی اخلاقی جرات، راست بازی اور راست کرداری، قوت اقدام، جوش عمل اور ثبات واستقلال، صبر و برداشت کی تصویریں کربلا کے مرقع میں محفوظ ہیں۔ اس سب کے ساتھ آپ کی امن پسندی یہ تھی کہ آخر وقت تک دشمن سے صلح کرنے کی کوشش جاری رکھی مگر عزم وہ تھا کہ جان دے دی جو صحیح راستہ پہلے دن اختیار کر لیا تھا اس سے ایک انچ نہ ہٹے انھوں نے بحیثیت ایک فرزند کے باپ کی اطاعت کی اور چھوٹے بھائی ہوکر بھائی کی اطاعت کی اور پھر بحیثیت ایک سردار کے کربلا میں ایک پوری جماعت کی قیادت کی اس طرح کہ اپنے وقت میں وہ اطاعت بھی بے مثل اور دوسرے وقت میں یہ قیادت بھی لاجواب تھی۔

واقعۂ کربلا: حضرت امام حسنؑ سے اور امیر شام معاویہ ابن ابی سفیان سے جو صلح ہوئی تھی اس کی ایک خاص اہم شرط یہ تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی جانشین کے مقرر کرنے کا حق نہ ہوگا مگر سب شرطوں کو عملی طور پر پائمال کرتے ہوئے معاویہ نے اس شرط کی بھی نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کی اور اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد کے لئے نامزد کرنا کیسا بلکہ اپنی زندگی ہی میں ممالک اسلامیہ کا دورہ کر کے بحیثیت آئندہ خلیفہ کے یزید کی بیعت حاصل کر لی۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے بیعت سے انکار فرمادیا۔ امیر شام نے آپ کو موافق بنانے میں ہر طرح کی کوشش کی مگر نتیجہ میں ناکامیابی ہوئی۔ یزید نہ صرف یہ کہ اصولی طور پر اس کی خلافت ناجائز تھی بلکہ اپنے اخلاق، اوصاف اور کردار کے لحاظ سے اتنا پست تھا کہ تخت سلطنت پر اس کا برقرار ہونا اسلامی شریعت کے لئے سخت خطرے کا باعث تھا۔ وہ شراب خوار، بدکار اور ایسے اخلاقی جرائم کا مرتکب تھا جن کا ذکر بھی تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے، اس پر طرّہ یہ کہ وہ حضرت امام حسینؑ سے بیعت لینے پر مصر تھا، گویا وہ اپنے خلاف شریعت افعال کی

صحت کے لئے پیغمبر اسلامؐ کے نواسے سے سند حاصل کرنا چاہتا تھا۔

معاویہ کے مرنے کے بعد جب یزید تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلی فکر اس کو یہ ہی ہوئی کہ حضرت امام حسینؑ سے بیعت حاصل کی جائے اس نے اپنے گورنر کو جو مدینہ میں تھا معاویہ کی خبر انتقال کے ساتھ بیعت کے لئے بھی لکھا۔ ولید نے جو مدینہ کا گورنر تھا امام حسینؑ کو بلا کر یزید کا پیغام پہنچایا۔ آپ پہلے ہی سے یہ طے کئے ہوئے تھے کہ یزید کی بیعت آپ کے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ بیعت نہ کرنے کی صورت میں جو نتائج ہوں گے انھیں بھی خوب جانتے تھے مگر دین خدا کی حفاظت اور شریعت اسلام کی خاطر آپ کو سب گوارا تھا آپ ولید کو مناسب جواب دے کر اپنے مکان پر واپس آئے۔ مدینہ میں قیام اس کے بعد نامناسب خیال فرما کر ہجرت کا مضبوط ارادہ کر لیا۔

۶۰ھ رجب کا مہینہ ۲۸ر تاریخ تھی جب حضرت اپنے نانا کے جوار کو چھوڑ کر ظالموں کے جور و ستم سے سفر غربت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ مکہ معظّمہ عرب کے بین الاقوامی قانون اور پھر اسلامی تعلیمات کی رو سے جائے پناہ اور امن و امان کی جگہ تھی آپ نے مکہ میں ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے قیام فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کے قریبی اعزہ تھے جن میں خاندان رسولؐ کی محترم بی بیاں اور کم سن بچے بھی تھے۔ آپ اپنی طرف سے کسی خوں ریزی اور جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ حج کا زمانہ بھی قریب تھا اور حضرت کی دلی تمنا تھی کہ اس سال خانۂ کعبہ کا حج ضرور فرمائیں جب کہ آپ مکہ ہی میں موجود ہیں مگر اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ وہ بزرگوار جو اس کے پہلے ۲۵ر حج خانۂ کعبہ کے اپنے وطن مدینہ سے آکر پا پیادہ بجا لا چکا تھا اس وقت مکہ میں موجود ہونے پر بھی حج کرنے سے مجبور ہو گیا۔ ظالم حکومت شام کی طرف سے کچھ لوگ حاجیوں کے لباس میں بھیجے گئے کہ وہ جس حالت میں بھی موقع ملے حضرت امام حسینؑ کو خانۂ کعبہ کے پاس ہی قتل کر ڈالیں۔

حضرت نہ چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے مکہ کے اندر خونریزی ہو اور خانۂ کعبہ کی حرمت برباد ہو۔ دو روز حج کو باقی تھے جب آپ تمام اہل و عیال اور اعزہ کے ساتھ مکہ معظّمہ سے روانہ ہو گئے اب آپ کہاں جاتے۔ کوفہ کے لوگ برابر خطوط بھیج رہے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور ہماری مذہبی رہنمائی فرمائیں جب کہ آپ مکہ سے نکلنے پر مجبور ہو چکے تھے تو اب کوفہ ہی وہ مقام ہو سکتا تھا جس کی طرف آپ رُخ کرتے۔ یہاں کے حالات کو دیکھنے کے لئے آپ اپنے چچازاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کو بھیج چکے تھے۔ ۸ر ذی الحجہ کو حضرت مکہ معظّمہ سے کوفہ کے ارادے سے روانہ ہوئے مگر یہ ہی وہ وقت تھا جب کوفہ میں انقلاب ہو چکا تھا۔ شروع میں تو کوفہ کے لوگوں نے حضرت مسلمؑ کا خیر مقدم کیا اور اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی مگر جب یزید کو اس کی اطلاع ہوئی اس نے حاکم کوفہ نعمان ابن بشیر کو معزول کیا اور ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔

یہ شخص بڑا ہی ظالم اور تشدد پسند تھا اس نے کوفہ میں آکر بڑے سخت احکام نافذ کئے اور تمام اہل کوفہ پر خوف

ودہشت طاری ہوگئی۔ سب نے جناب مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور آخر تن تنہا ہزاروں کا مقابلہ کرنے کے بعد بڑی مظلومی اور بے کسی کے ساتھ ۹رذی الحجہ کو وہ شہید کرڈالے گئے۔ حضرت امام حسینؑ عراق کے راستے میں منزل زبالہ پر تھے جب حضرت کو مسلمؑ کی خبر شہادت معلوم ہوئی۔ اس کا حضرت پر بڑا اثر پڑا مگر عزم واستقلال میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ واپسی کا بھی کوئی موقع نہ تھا۔ سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ ذوحسم کی منزل میں ابن زیاد کی فوج میں سے ایک ہزار کا لشکر حُرابن یزید ریاحی کی سرداری میں آپ کا راستہ روکنے کے لئے پہنچ گیا۔ یہ دشمن کی فوج تھی مگر حضرت امام حسینؑ نے ان کے ساتھ رحم وکرم کا وہ مظاہرہ فرمایا جو دنیائے انسانیت میں یادگار رہے گا۔ تمام فوج کو پیاسا دیکھ کر جتنا پانی ساتھ تھا سب پلا دیا اوران بے آب راستوں میں اپنے اہل حرم اور بچوں کی پیاس کے لحاظ سے پانی کا کوئی ذخیرہ محفوظ نہ رکھا۔ اس کے بعد بھی یزیدی فوج نے اپنے حاکم کی ہدایت کے موافق آپ کے ساتھ تشدد اختیار کیا آپ کو آگے بڑھنے یا واپس جانے سے روک دیا اب ۶۱ھ کا پہلا مہینہ شروع ہوگیا تھا۔ دوسری محرم کو حضرت کربلا کی زمین پر پہنچے اور یہیں اترنے پر مجبور ہوگئے۔ دوسرے دن سے یزید کا ٹڈی دَل لشکر کربلا کے میدان میں آنا شروع ہوگیا، اور تمام راستے بند کردئے گئے۔ امام حسینؑ کے ساتھ صرف بہتر جاں باز تھے اور اُدھر ہزاروں کا لشکر۔

سات دن تک امن قائم رکھنے کے لئے صلح کی کوشش ہوتی رہی۔ حضرت یہاں تک تیار ہوئے کہ عرب کا ملک چھوڑ دیں، کسی دور دراز سرزمین پر چلے جائیں اوراس طرح اپنے کو بیعت یزید سے الگ رکھتے ہوئے بھی ایسی صورت پیدا کردیں کہ جنگ کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مگرنویں محرم کی سہ پہر کو صلح کے امکانات ختم ہوگئے۔ ابن زیاد کے اس خط سے جو شمر کے ہاتھ عمر سعد کے پاس بھیجا گیا، اس میں لکھا تھا کہ ''یا حسینؑ غیر مشروط طور پر اطاعت قبول کریں یا ان سے جنگ کی جائے''، اس خط کے پہنچتے ہی فوج یزیدی نے حملہ کردیا۔

باوجودیکہ ساتویں سے پانی بند ہوچکا تھا، امام حسینؑ کے سامنے ان کے اہل حرم اور چھوٹے بچوں کی بے تابی کے مناظر، العطش کی صدائیں اور مستقبل کے حالات سب ہی کچھ تھے۔ مگر یزید کی بیعت اب بھی اسی طرح غیر ممکن تھی جس طرح اس کے پہلے۔ بے شک آپ نے یہ چاہا کہ ایک رات کی مہلت مل جائے، آپ چاہتے تھے کہ یہ پوری رات آخری طور پر عبادت خدا میں بسر کریں۔ اس کے علاوہ دوست ودشمن دونوں کو جنگ کا قطعی فیصلہ ہوجانے کے بعد اپنے اپنے طرز عمل پر غور کرنے کا موقع مل جائے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے تقریر فرمائی آپ نے فرمایا: ''کل قربانی کا دن ہے ان ظالموں کو مجھ سے دشمنی ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ تم لوگ بھی اپنی زندگی کو میرے ساتھ خطرے میں ڈالو۔ میں تم سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ اس رات کے پردے میں جدھر چاہو چلے جاؤ۔'' مگر ان جانبازوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ ''ہم آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔''

عاشور کی رات ختم ہوئی۔ دسویں محرم کو صبح سے عصر تک کی مدت میں ان بہادروں نے جو کچھ کہا تھا اسے کر کے دکھا دیا۔ اس وفاداری، استقلال اور بہادری کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی نصرت میں دشمنوں سے مقابلہ کیا جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔ ان میں حبیب ابن مظاہر، مسلم ابن عوسجہ، سوید ابن عمر، انس ابن حارث اور عبدالرحمن ابن عبد رب ایسے ساٹھ ستر اور اسی برس کے بوڑھے تھے اور متعدد اصحاب رسول بھی تھے۔ بریر ہمدانی، کنانہ ابن عتیق تغلبی، نافع ابن ہلال، حنظلہ ابن اسعد ایسے حفاظ قرآن تھے اور بہت سے علماء اور راویان حدیث، بہت سے عابد اور شب زندہ دار اور بہت سے ایسے شجاعان روزگار تھے جن کی شجاعت کے کارنامے لوگوں کی زبان پر تھے۔

جب مددگاروں میں کوئی باقی نہ رہا تو عزیزوں کی نوبت آئی۔ سب سے پہلے حضرت نے جوان بیٹے علی اکبرؑ کو جو شبیہ پیغمبرؐ بھی تھے مرنے کے لئے بھیج دیا علی اکبرؑ نے جہاد کر کے اپنی جان دین خدا پر نثار کی امام حسینؑ کو شبیہِ رسولؐ کی جدائی کا صدمہ تو بہت ہوا مگر عمل کے راستے میں آپ کی ہمت کے حوصلے اور ولولے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ عقیل کی اولاد عبداللہ ابن جعفر کے فرزند ایک ایک کر کے رخصت ہوئے۔ امام حسنؑ کے یتیم قاسمؑ کی جدائی آپ کو بہت شاق ہوئی۔ مگر اپنے بزرگ مرتبہ بھائی کی وصیت کو پورا کرتے ہوئے قاسمؑ کو بھی رخصت کر دیا۔

سب کے آخر میں فرزندان امیرالمومنینؑ میدان جہاد میں گئے جب کوئی نہ رہا تو علمدارؑ کی باری آگئی۔ قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباسؑ کو حضرت کسی طرح اجازت جہاد نہ دیتے تھے۔ کیوں کہ ان کے کاندھوں پر اسلام کا علم لہرا رہا تھا۔ مگر آخر ایک طرف بچوں کی پیاس دوسری طرف جوش جہاد۔ عباسؑ پانی لینے کے لئے ایک مشک اپنے ساتھ لے کر فرات کی جانب متوجہ ہوئے انھوں نے علم کی حفاظت بھی کی۔ دشمنوں سے مقابلہ بھی کیا۔ فوج کو ہٹا کر نہر کا راستہ بھی صاف کیا اور مشک میں پانی بھی بھر لیا۔ مگر افسوس کہ یہ پانی خیام حسینی تک پہنچنے نہیں پایا تھا کہ بہادر علمدار کے شانے قلم ہوئے۔ مشک تیر سے چھدی اور پانی زمین پر بہا عباسؑ کی قوت ختم ہوگئی۔ گُرز کے صدمہ سے زمین کی طرف جھکے اور علم عباسؑ کے ساتھ زمین پر آگیا۔ حسینؑ کی کمر شکستہ ہوگئی۔ پشت جھک گئی مگر ہمت پھر بھی نہیں ٹوٹی، اب جہاد کے میدان میں حسینؑ کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا مگر فہرست شہداء میں ابھی ایک بے مثال مجاہد کا نام باقی تھا۔ جس کا جواب قربانی کی تاریخ میں نہ پہلے نظر آیا نہ بعد میں نظر آسکتا ہے۔ یہ چھ مہینے کا بچہ علی اصغرؑ تھا جو گہوارے میں پیاس سے جاں بلب تھا۔ حسینؑ درخیمہ پر تشریف لائے اور اس بچہ کو طلب فرمایا۔ بچے کی عطش اور اس کی حالت کا مشاہدہ فرمایا۔ یقینا یہ منظر ہر حساس انسان کو متاثر کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر کیسے بے رحم تھے وہ سختِ دل فوج شام کے سپاہی جنھوں نے حسین کے ہاتھوں پر اس معصوم بچے کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ رحم کھاتے، بچے کو ایک قطرۂ آب سے سیراب کرتے، ظلم اور شقاوت کا مظاہرہ انتہائی حد تک پہنچا دیا۔ سخت دل حرملہ کا تیر اور بچہ کا نازک گلا۔

امام حسینؑ نے یہ آخری ہدیہ بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا تو خود بہ نفس نفیس میدان جہاد میں قدم رکھا اور باوجود اس بے کسی اور شکستگی کے جب کہ یقینا تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھے دن بھر اصحاب واعزا کی لاشیں اُٹھائی تھیں اور بہتر داغ سینہ پر کھا چکے تھے۔ بھائی کے غم سے کمر شکستہ تھی اور اولاد کے داغ سے کلیجہ زخمی ہو گیا تھا۔ مگر جب نصرت اسلام کے لئے تلوار نیام سے نکالی تو دنیا کو حمزہؑ اور جعفرؑ کی شان اور حیدرؑ صفدر کی شجاعت یاد دلا دی۔ آخر قربانی کی منزل سامنے آ گئی۔ دشمنوں کی تلواریں، نیزے اور تیر اور وہ مقدس جسم، زخموں کی کثرت، خون کے بہنے سے گھوڑے پر سنبھلنے کی طاقت نہ رہی۔ دشمنوں نے ایذا رسانی کی کوئی حسرت باقی نہ رکھی۔ شمر کا خنجر فرزند رسولؐ کے گلے پر کیا پھرا گویا رسولؐ کا سر قلم ہوا۔ اور نام نہاد کلمۂ اسلام پڑھنے والوں نے پیغمبر اسلام کے نواسے کا سر نیزہ پر بلند کیا اتنا ہی نہیں بلکہ خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ خانوادۂ عصمت کی مقدس بی بیوں کے سروں سے چادریں اتاری گئیں۔ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں کے سُموں سے پامال کی گئیں۔

امام حسینؑ کے بعد مردوں میں صرف ایک بیمار فرزند سید سجادؑ باقی تھے، جنہیں طوق وزنجیر پہنایا گیا اور بیبیوں اور بچوں کے ساتھ قید کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام قیدیوں کی صورت سے لے جائے گئے اور ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں کھڑے کئے گئے۔

ان نام کے مسلمانوں نے تو پیغمبر اسلامؐ کے فرزند کو دفن وکفن سے بھی محروم رکھا تھا مگر آس پاس کے رہنے والے قبیلۂ بنی اسد کے لوگوں نے فوج ظلم کے چلے جانے کے بعد ۱۲ر محرم کو یعنی شہادت سے تیسرے دن دفن کیا۔

آج کربلائے معلّٰی میں حسینؑ کا روضہ انتہائی شان وشوکت کے ساتھ تمام دنیا کے لوگوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور حسینؑ کے نام کا تعزیہ اور ضریح اور علَم اور مختلف مظاہرات دنیا کے ہر گوشے میں نظر آتے ہیں۔ حسینؑ دنیا میں قائم ہیں اور حسینؑ کی بدولت اسلام باقی ہے اور صداقت واستقلال اور حق پرستی کے لئے امام حسینؑ کا اسوۂ حسنہ تاریخ انسانیت میں بے مثال حیثیت سے باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

اگر واقعۂ کربلا سے دنیا صحیح سبق حاصل کرے۔ اور سید الشہداء نے کربلا میں جو بے نظیر نمونہ پیش کیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش بھی جاری رہے تو زندگی کے آثار نمایاں ہو جائیں۔

ہم میں کیا کمی ہے۔ یہی ہے کہ ہم بلند مقاصد کے سامنے اپنے وقتی مفاد، اپنے راحت وآرام، اپنی زندگی، اپنی قرابتوں اور اپنے اہل وعیال اور اولاد اور نہ جانے کتنی روپہلی سنہری مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہیں۔

امام حسینؑ نے یہ مثال پیش کی ہے کہ تم بلند مقاصد کے لئے اپنی ہر چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار رہو۔ مبارک ہوں گے وہ افراد جو اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے تئیں عملی حیثیت سے ویسا ہی پیش کریں جیسا حسینؑ دنیا کو بنانا چاہتے تھے۔

☆☆☆